انسانیت پر کربلا کے احسانات

انوار محمد عظیم آبادی☆

کربلا کا سانحہ تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم کا ایک مشہور و معروف واقعہ ہے۔ کربلا میں محرم الحرام ۶۱ھ/۶۸۰ء کی دس تاریخ تک کیا ہوا؟ ان باتوں کی ایک ایک تفصیل تواریخ واقعہ و سیر کی کتابوں میں محفوظ ہے اور یہ کہنا غلط یا مبالغہ نہیں کہ اس خودفراموش دنیا نے اگر آج صدیوں سے یکساں، شدت اثر کے ساتھ کربلا کو یاد رکھا ہے اور اس کی اہمیت و افادیت کا مسلسل اعتراف کیا ہے تو اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ کربلا اور دین و انسانیت میں بہت ہی گہرا اور اٹوٹ رشتہ پایا جاتا ہے۔

کربلا کے واقعہ کا اصولی اور تاریخی سبب، وہ ہے جسے امیر معاویہ کے اعلان خلافت کے ساتھ ہی اقتدار اعلیٰ کے ''اصولوں میں ایک بڑی تبدیلی آجانا'' کہتے ہیں کہ امیر معاویہ سے پہلے خلافت انتخابی تھی، لیکن انھوں نے اپنے لڑکے یزید کو جانشین بناکر خلافت کو موروثی کردیا۔ بہ الفاظ دیگر ان کے ایسے اقدام سے خلافت و ملوکیت کا بنیادی فرق ہی جاتا رہا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات دین و انسانیت کی حقیقی قدروں کے بموجب نہیں بلکہ سرتاسر اس کے منافی تھی چنانچہ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ ابنِ زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن ابنِ ابی بکر نے باپ کے ذریعہ بیٹے کی اس جانشینی کو تسلیم نہیں کیا اور یقیناً ان کا یہ عمل، کسی اور بات کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف دین و انسانیت اور حق و صداقت کے تحفظ ہی کے لئے تھا۔ اسی طرح کربلا کے واقعہ کا وقتی یا ہنگامی سبب یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل نے اہالیانِ کوفہ کی تائید پر بھروسہ کرکے حضرت امام عالی مقام کو کوفہ بُلا بھیجا۔ اس وقت حضرت امام مکہ معظمہ میں تھے۔ کوفہ والوں نے امام عالی مقام کی حمایت کا پورا پورا وعدہ کیا، لیکن اسی دوران یزید کے حکم پر، عبیداللہ ابنِ زیاد بصرہ سے کوفہ پہنچ گیا اور کوفہ کے باشندے اس سے ڈر کر اپنے وعدوں سے پھر گئے اور کوفیوں کی اس بھیانک غداری کے نتیجہ میں حضرت مسلم بن

☆ ہیرا بلڈنگ، عالم گنج (گھیرا) پٹنہ۔ ۷

عقیل شہید کر دیئے گئے۔ اثنائے راہ میں اگرچہ حضرت امام عالی مقام کو کوفہ والوں کا حال معلوم ہوا اور واپسی کے مشورے بھی ملے، مگر حضرت مسلم بن عقیل کے بھائیوں کے اصرار پر بہرحال یہ سفر جاری رہا اور ۲ رمحرم الحرام کو دشت کربلا میں یہ حسینی قافلہ خیمہ زن ہوا۔ ۳ رمحرم کو چار ہزار فوجوں نے اس قافلہ کو گھیر لیا۔ اس فوجی دستہ کی کمان عمرو بن سعد کے ہاتھوں میں تھی۔ قصۂ مختصر ۷ رمحرم الحرام سے اہلِ بیت کے لئے دریائے فرات پر پہرے لگا دیئے گئے۔ حضرت امام حسینؓ نے یزید کے پاس دمشق جانے یا کفار سے جہاد کے لئے کسی اسلامی سرحد کی طرف نکل جانے، علاقۂ ثغر کا رُخ کرنے یا پھر مدینہ ہی لوٹ جانے کا موقع طلب فرمایا، لیکن ان کی کوئی بات منظور نہیں کی گئی اور گویا اس طرح حضرت امامِ عالی مقام اور ان کے رفقاء کو جنگ پر مجبور کر دیا گیا اور پھر بصورت شہادت کربلا کی مختصر سی جنگ کا انجام سبھی جانتے ہیں۔ بیشک بایں صورت اور بایں حالت نہ صرف تاریخی اسباب کے لحاظ سے بلکہ وقتی اسباب کے لحاظ سے بھی حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے کربلا میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے دین و انسانیت پر ہمیشہ کے لئے احسان ہی نہیں بلکہ احسانِ عظیم فرمایا ہے۔

تاریخ کربلا کے متذکرہ واقعات جب سامنے آتے ہیں تو ازروئے تجزیہ بعض صحابہ کرام کے عمل کی مثالیں دے کر اکثر و بیشتر کچھ ایسے نکات اٹھائے جاتے ہیں جن سے بادی النظر میں حضرت امام عالی مقام کا فیصلہ کسی ضدی اور خودسر انسان کا فیصلہ اور نعوذ باللہ حضرت امام عالی مقام کا یہ سفر محض ''خروج'' یعنی سفر بغاوت معلوم ہوتا ہے اور بدنصیبی یہ ہے کہ جب بات چلتی ہے تو اس موضوع پر ایک سے بڑھ کر ایک علمی و عقلی موشگافیاں ہونے لگتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی حضرت امام عالی مقام کے اسلام اور انسانیت بداماں نظریے سے سرمُو اختلاف نہ تھا بس بات تھی تو اتنی تھی کہ اُس وقت کے حالات میں ''رخصت'' کی بھی گنجائش تھی اور ''عزیمت'' کا راستہ بھی بند نہ تھا بس فرق یہ تھا کہ ''رخصت'' پر نہ ثواب تھا نہ عذاب جبکہ ''عزیمت'' میں ثواب ہی ثواب تھا، چنانچہ کربلا کے مسافر نے اسلام و انسانیت اور حق و حریت کے تحفظ کی خاطر راہِ عزیمت پسند فرمایا، یزید کی بیعت سے انکار کیا اور دین و انسانیت کی بقا کے لیے کسی بھی ممکنہ سعی کو مصلحت پسندی کے نام پر موخر نہیں ہونے دیا۔ اس طرح ایک کھلے موقف کے ساتھ صرف نظریاتی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ عملی کاوشوں کو بروقت اہمیت دینے کے لحاظ سے بھی کربلا اور دین و انسانیت کے منور و مستحکم رشتے کو سمجھنا اور کربلا کے احسانات کا اعتراف کرنا چنداں دشوار نہیں۔ امام عالی مقام کے سفر کا حال

ہمیں معلوم ہے اور اس روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کربلا کے مجاہد اعظم نے صرف تحفظ حق و صداقت اور آزادی و انسانیت کے نظریے سے ہی کام نہیں لیا، اصولی و عملی کاوش میں تاخیر کو ہی ناپسند نہیں فرمایا بلکہ اگر اس قسم کی کوشش سے، کسی طرح کی کوئی انسانیت مخالف غلط فہمی ہوسکتی تھی تو اپنے انداز کار اور اہتمام سفر سے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کا دروازہ بھی بند رکھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دوران سفر، جیسا کہ واقعہ معلوم ومشہور ہے، قادسیہ کے مقام پر راستہ روکنے والے حُر کے لشکر کو اپنے مشکیزہ سے پانی فراہم کیا۔ پھر کربلا کے میدان میں جب اگلی صبح، لڑائی یقینی ہوگئی تو جیسا کہ سبھی جانتے ہیں، عاشورہ کی رات امام عالی مقام نے، پردۂ شب میں، اپنے ساتھیوں کو نہ صرف یہ کہ چلے جانے کی بخوشی اجازت دے دی بلکہ چراغ بجھا کر گویا عملاً ایک گونہ فہمائش بھی کی۔ بلاشبہ یہ سب کچھ کربلا اور انسانیت کے متنوع اور مثبت رشتہ ہی کا اشارہ بلکہ روشن ثبوت ہے اور یقیناً یہ کربلا کے احسانات کی وہ دنیا ہے جس سے انسانیت وصداقت کی حقیقی قدریں کبھی منکر نہیں ہوسکتیں۔

کربلا کے واقعہ میں ''کرداروں کی بھیڑ'' نہ سہی لیکن مرد اور نسوانی کرداروں کی ایک خاص تعداد ضرور ہے اور بلاشبہ ان میں مختلف زاویوں سے حق پرستی اور انسان دوستی کی قندیلیں روشن نظر آتی ہیں۔ اس مقدس قافلہ میں بزرگ اور معمر صحابہ کرام بھی ہیں، تابعین عظام بھی ہیں، ممتاز ومنفرد مفسرین ومحدثین، اصحاب علم وورع اور شجاعان وقت بھی ہیں۔ ایسے کردار بھی ہیں جو ہمیشہ سے امام عالی مقام کے ساتھ تھے، ایسے کردار بھی ہیں جو ایک ہی ملاقات کے بعد وابستۂ عزم ہوگئے اور ایسے کردار بھی ہیں جو عاشورہ کی صبح رفاقت امام کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ کربلا کا دین و انسانیت سے جو رشتہ قائم ہو چکا تھا اور جو ہر صبح و شام زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہوتا چلا جارہا تھا اسے ہر عمر، ہر طبقہ اور ہر قسم کی نفسیات رکھنے والے بخوبی محسوس کر چکے اور بہ صمیم قلب ونظر قبول کرتے چلے جارہے تھے۔ البتہ جنھیں حضرت امام حسینؓ کی بات اور کربلا سے اسلام و انسانیت کا رشتہ قبول نہ تھا وہ کل بھی یزید کی طرف تھے اور آج بھی مختلف عنوان سے یزیدیت ہی کے طرفدار ہیں۔

بیشک حق و انصاف اور دین و انسانیت کی پرورش و بقا کے لحاظ سے غور کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کربلا کچھ اور نہیں، حق و صداقت اور دین و انسانیت کے معمار اساتذہ کی ایک ایسی درگاہ ہے جہاں سے حفظ انسانیت اور احترام انسانیت کا ایک سے بڑھ کر ایک سبق زبان حال و قال سے نشر

ہوتا رہا ہے۔ کسی شاعر کا لب و لہجہ مستعار لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ کربلا میں، انسانیت کے لئے مرنے کی ادا اگر شبیر نے بتائی ہے تو انسانیت کے لئے جینے کی ادا بھی عابد بیمار سے ملی ہے۔ بیشک کربلا میں علی اکبر کی اذان نے انسانیت کو فلاح کی طرف پکارا ہے۔ یہاں حضرت عباس علمدار کا کردار اگر یہ بتاتا ہے کہ دین و انسانیت کے سچے ہادی کی مدد و رفاقت کا نام شرافت ہے تو اس شرافت کی علامت ہاتھوں کی محتاج نہیں بلکہ جذبوں سے ممتاز ہے اور یہ کہ انسان کی انسانیت کا تعاف از بس حق کی حمایت ہی میں ہے تو حضرت علی اصغر کا معصوم کردار، واقعات کے تناظر میں اپنی زبان بے زبانی سے یہ بھی بتادیتا ہے کہ کربلا کی جنگ نہ تو مسلمانوں سے تھی اور نہ ہی انسانوں سے بلکہ یہ جنگ دراصل حال و مستقبل کی ان طاقتوں سے تھی جن میں انسانی وجدان کا فقدان ہے، ایسا فقدان کہ وہ چھ ماہ کے بے زبان معصوم کا بھی خیال نہیں کرتے اور انسانی نسل کشی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

کربلا کی عظیم درس گاہ انسانیت کے سب سے بڑے معلم، حضرت امام عالی مقام ہیں۔ دین و انسانیت اور تہذیب و ثقافت کی بقا و صیانت میں نسل، ملک اور زبان کی تفریق کو عملی اقدام سے ٹھکرانے کی کیا اہمیت ہے؟ اور حکمت و عدالت اور شجاعت وعفت کو اِن مقاصد کے لئے عالمگیر افراط وتفریط سے بچانا کس طرح لازمی ہوتا ہے؟ یہ محتاج بیان نہیں۔ چنانچہ حضرت امام عالی مقام کی زندگی کے واقعات اور ان کی عظیم المرتبت شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فارس کی شہزادی سے شادی کر کے جس طرح انسانیت کے وقار اور اس کی گوناگوں معنویت کے تحفظ کی خاطر زبان، ملک اور نسلی امتیازات کے پرخچے اڑادیے، ان چیزوں کے مقابلے میں جس طرح جذبۂ محبت و انسیت کو مسخر کیا، جس طرح کربلا کے مسافر بن کر یعنی حجاز کی سرزمین کو چھوڑ کر بابل کی سرزمین کو عزت دی اور ایک خاص جغرافیائی رشتۂ اتحاد قائم کیا، جنگی اسپرٹ کو مٹایا، خانۂ خدا کو مرکز عسکریت بننے سے سے بچایا، عالم اسلام کو للچائی ہوئی ملک گیری کی نظروں سے محفوظ رکھنا چاہا، کعبہ کو امن کی مرکزیت دے کر، عالم کے فرقوں کو مطمئن کرنے کی سعی کی، وہاں سے ہجرت کیلئے فضا ہموار کی اور ہجرت کر کے قومی و ملی تعمیر وتنظیم کے لئے راستہ بنایا اور بتایا کہ اسلام، مذہبی غلامی کے سوا ہر قسم کی آزادی کے لئے ہے، وہ ملک گیری اور ملوکیت کے لئے نہیں بلکہ انسانیت وصداقت اور خلافت کے لئے ہے اور اس کا ہدف ہر قسم کی دہشت پسندی اور دادائیت کا خاتمہ ہے وہ سب کچھ یقینی طور پر ساتویں صدی عیسوی کی دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ کچھ یوں ہی بقائے دین و انسانیت کے لئے

امام عالی مقام نے جس طرح تہذیب کے ستون چہار گانہ کو عملی توازن سے آشنا فرمایا، حکمت کو افراط وتفریط یعنی چالاکی اور جہل سے بچایا، عدالت کے وصف کو ظلم کرنے اور ظلم سہنے کی منزلوں سے دور رکھا، شجاعت کو تہور اور بزدلی سے بچایا، نہ تو کوئی ایسی ترکیب استعمال کی جو محض حوصلہ مندوں کی تاریخ شجاعت کا ایک ورق ہو، نہ کوئی ایسا راستہ اپنایا جس سے محض ارضیت کی بو آئے اور نہ ہی فیصلہ کے نازک سے نازک ترین وقت میں بھی کسی ایسے طریقہ کی تلاش کی جس سے عزیمت میں کوئی کمی دکھائی دے اور نہ ہی عفت کو کبھی نفس کشی یا نفس پرستی جیسی افراط وتفریط کی باتوں کا شکار ہونے دیا اور بحیثیت مجموعی یہ سب کچھ یقیناً یہ بتانے اور سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کسی طرح بھی کم نہیں کہ قہر مان کربلا کا کردار، تہذیب وتمدن، حق پرستی اور انسان دوستی کی قدروں کو بچانے اور حال ومستقبل میں مستحکم، مفید اور متوازن بنانے کے لئے کیسی احتیاط، کیسے خلوص اور کیسی ہوشیاری و پامردی سے مسلسل کام لے رہا تھا۔

بیشک کربلا نے، اپنے سرخیل آعظم کے کردار اور ان کی شخصیت کے حوالے سے دنیا کو واضح طور پر بتایا ہے کہ مفید دین و انسانیت علم حقیقی کس کو کہتے ہیں، عدالت کا اعتدالی راستہ اور عفت کی متوازن صورت عملی کیا ہے نیز یہ کہ بقائے انسانی کی خاطر کہاں تلوار اٹھانا ضروری ہے؟ کربلا کا واقعہ بلاشبہ تاریخ عالم میں، استحفاظ و انسانیت کے بے مثال معرکہ ہے۔ اگر یہ مذہبی واقعہ ہے تو کہنا چاہئے کہ اس کا رشتہ بصورت اسلام، انسانیت کے سچے مذہب سے ہے اور اس کے کردار مسلک انسان دوستی کا عملی وفکری نمونہ پیش کرنے والے ایسے کردار ہیں جنھیں ہمیشہ کے لیے محسنین انسانیت وصداقت کا مرتبہ حاصل ہے۔ کربلا میں نمازِ حسینؑ کا حال کون نہیں جانتا۔ یہ نماز صرف حق پرستوں کو عبادت کا ذوق ہی نہیں بخشتی ہے بلکہ ذرا وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا یہ تاریخی سجدہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کی آبرو بن چکا ہے۔ کربلا کا واقعہ اگر ایک تاریخی واقعہ ہے تو بیشک اس کا رشتہ زندگی اور تہذیب و اخلاق کی بلند و بالا قدروں سے ہی وابستہ ہے اور ان مخلصانہ کوششوں سے ہے جنھیں بقائے دین وآدمیت کی کارگر مساعی جمیلہ کا نام دیا جانا چاہئے۔ اسی طرح اگر یہ ایک سیاسی واقعہ ہے تو پھر کہنا چاہئے کہ یہ ایسی بلند مرتبہ سیاست پر مبنی ہے جس کے نزدیک انسانیت بہ حیثیت انسان برابر ہے اور جو انسانیت دشمن شخصی حکومت کے جبریہ نظام کو ہمیشہ کے لئے اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہے۔ یہ محض ایک خیالی توصیف نہیں بلکہ کربلا کی سیاست کے اس مفہوم پر

مقام بیضاء میں حضرت امام عالی مقام کے خطبہ کا ایک ایک لفظ گواہ ہے۔ بلاشبہ، شہ کربلا کے کرار نے سیاست تمدن کے باب میں جس طرح سوئی ہوئی قوم کو چونکایا ہے، سوئے ہوئے دل ودماغ میں صداقت و انسانیت کے جذبات کو جگایا ہے، غلامانہ تمدن و معاشرت میں دلیرانہ اور مردانہ روح پھونک دینے کی جو کامیاب اور سنجیدہ و برجستہ سعی فرمائی ہے، اس راہ میں انسانیت اور مذہب کی بقاء وحفاظت کے لئے جیسا بے مثال استقرار و استمرار دکھایا ہے، جیسی ثابت قدمی اور جیسے استقلال وصبر کا مظاہرہ کیا ہے، جس طرح وقت کے تناظر میں، سدا کے لیے ''آزاد اسلام'' کی تاریخ لکھ دی ہے اور جس طرح خاموش انقلاب سے دنیا کو جگایا ہے وہ تاریخ انسانیت کا ایک ایسا روشن باب یا بہ کلمات دیگر انسانیت پر کربلا کے احسانات عظیم کی ایسی کہانی ہے جو کبھی بھلائی نہیں جاسکتی۔

غم حسینؑ اور یاد حسینؑ کا مرتبہ اور اس کی برکت وفضیلت اپنی جگہ، لیکن کربلا کا واقعہ بہرحال صرف رونے کے لئے نہیں بلکہ رونے اور رلانے سے کہیں زیادہ سیکھنے، سمجھنے اور عمل کی دنیا بسانے کے لئے ہے۔ بقائے دین و انسانیت کی خاطر حریت پسندانہ، مزاج اور ظلم کے خلاف مخلصانہ اور پرامن احتجاج کربلا ہی کی دین ہے۔ کربلا نے بشریت کو ظلم و استبداد کا مقابلہ کرنا اور ذلت کی پست زندگی کے بجائے عزت کی شاندار موت مرنا سکھایا ہے۔ اور حقوق انسانیت وصداقت کی راہ میں مصلحت اور خوف سے بچنے کا مثالی درس دیا ہے۔ کربلا کے واقعات گواہ ہیں کہ مکتب حق و انسانیت کا پیرو کسی بھی مرحلہ میں اپنے اصولوں سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ وہ اسی کے لئے جیتا ہے، اسی کے لئے مرتا ہے اور اسی کے لئے اپنی نسل کی بقا و تحفظ کو اہمیت دیتا ہے۔ کربلا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ظلم برداشت کرنا، اصولوں سے انحراف کی صورتیں دیکھتے رہنا اور ان کے خلاف آواز نہ اٹھانا صرف دین سے غداری نہیں بلکہ انسانیت سے بھی بڑی غداری اور اس کی مسلسل پامالی کے مترادف ہے۔ مشرب اسلام و انسانیت کے ماننے والوں اور اس کے تقاضہ پر چلنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ پست ترین ماحول میں رہ کر بھی اپنی عالی ہمتی اور اپنے فرائض منصبی کو کبھی اور کسی حال میں بھی بھولتے نہیں ہیں بلکہ بہمہ صورت وہ حق و انسانیت کی بقا وفلاح کے لئے باطل کے چہرے سے سچائی کی جھوٹی نقاب اتار دینا چاہتے ہیں اور پیروان حق و انسانیت کے لئے اپنے کردار کا روشن نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک کرکے ان کے سرتن سے جدا کردیئے جاتے ہیں۔ وہ جنگ میں ظاہری مورچہ پوری طرح ہار جاتے ہیں لیکن ان کا خلوص اور ان کی مقصدیت انھیں ابدی فاتح بنادیتی ہے

اور ان کی یہ قربانی حق وصداقت، آزادی وحریت، امن و انسانیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں نہایت ہی عظیم الشان اور بے بدل انسانی قربانی بن جاتی ہے۔

کربلا کی لڑائی اگر چہ کہنے کو محض چند گھنٹوں کی لڑائی ہے لیکن اس میں بہرحال دورائے نہیں ہوسکتی کہ کربلا نے راہِ دین و انسانیت میں ایک سے بڑھ کر ایک مثالیں قائم کی ہیں۔ کربلا اور امن و انسانیت کا رشتہ بہمہ لحاظ ابدی و لاینفک ہے۔ میدان کربلا میں اگر اعزہ و اقارب اور رفقائے سفر کی شہادت پر صرف صبر کا مظاہرہ ہی نہیں ہوا بلکہ شکر کے سجدے بھی بجالائے گئے ہیں تو وہ یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ حفظ دین و انسانیت کی راہ میں جان و مال کا خسارہ مصیبت نہیں بلکہ اگر مقبول بارگاہ ہوجائے تو ایک بڑی نعمت ہے اس میدان میں اگر حضرت امام حسینؑ بعض روایت کے بموجب خطبہ کے لئے اونٹ پر تشریف فرما ہوئے جو کہ اس دور میں ''امن و آشتی کی سواری'' تھی تو یہ بھی امن و انسانیت سے کربلا کے رشتہ کا ایک بین ثبوت ہے اور اگر یہ روایت متفقہ نہ ہو اور امام عالی مقام نے گھوڑے سے ہی کام لیا ہو تو اس سے نفس مطلب پر فرق نہیں آتا کہ اسے تو خطبۂ امام کے مضمون کا حرف حرف پوری طرح روشن کردیتا ہے۔'' تاریخ کامل ابن اثیر'' میں جو عبارت آئی ہے اس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ فرمایا "وانا احق من غیر" یعنی انسانیت اور مذہب دشمن فضا کو بدلنے کا سب سے زیادہ حق میں رکھتا ہوں۔ سچی بات یہی ہے کہ امام عالی مقام نے خصوصیت کے ساتھ یہ ذمہ داری قبول کرکے انسانیت پر جو منت و احسان فرمایا ہے اور اس طرح کربلا نے انسانیت کی حفاظت و بقا کا جو پیغام دیا ہے۔ وہ یقیناً ناقابل فراموش شدنی ہے۔ کربلا نے دنیا کو سکھایا ہے کہ مذہب اور انسان دوستی کی راہ بقا میں یقین کی قوت سب سے بڑی قوت ہوتی ہے۔ جو نفوس عالیہ حق پسند اور انسانیت دوست ہوتے ہیں وہی اسمِ با مسمّیٰ ہوتے ہیں۔ وہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بدرجہا بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ افراد کی کثرت اور مادی وسائل پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ ان کا بھروسہ اس ذات پر ہوتا ہے جس نے یہ کائنات بنائی ہے۔ بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے اور اسے اشرف المخلوقات بنا کر دین و انسانیت کے تحفظ کی ذمہ داری سونپی ہے۔ واقعی یہ کربلا کے شہیدوں کا بڑا احسان ہے کہ وہ رہتی دنیا تک کے لئے ہمیں اپنے کردار سے روشن نمونہ دے گئے ہیں۔

کربلا کے صرف، مرد کرداروں کا ذکر نہیں بلکہ کربلا میں اور خصوصاً کربلا کے بعد، راہ انسانیت و صداقت میں عورتوں کا کردار بھی بہت ہی اہم نظر آتا ہے۔ انھوں نے حالت اسیری میں کربلا سے

کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک سینکڑوں میل کی طویل مسافت طے کی اور یزیدیت کو جس نے مورچہ جیت لیا تھا، جنگ ہارنے کا یقین دلا دیا۔ یزید کی بچی ہوئی حکومت ختم ہوگئی اور حسینؑ کی بچائی ہوئی انسانیت اور ان کا بچایا ہوا اسلام زندہ رہا۔ خواتین کربلا نے اپنے کردار سے ثابت کردیا کہ تحفظ انسانیت کی سرگرمیوں میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کا بھی اہم حصہ ہے۔ انسانیت اور انسان دوستی صرف مردوں کی جاگیر نہیں ہے اور وہ تہذیب سخت غلط فہمیوں کی شکار ہے جس نے انسان کا لفظ صرف مردوں کے لئے ہی مخصوص کررکھا ہے۔ کربلا کے بعد، خواتین کربلا نے جو کردار ادا کیا، بیشک اس کے نتیجے میں یزید اور یزیدی فوجوں کی انسانیت دشمنی بازار سے دربار تک عام ہوئی۔ گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ومرعوب ہوجانے والے دل و دماغ میں انسانیت کے جذبے جاگ اٹھے۔

بیشک داستان کربلا میں عورتوں کے انسانیت بداماں کردار کی اہمیت و اثر کے اعتراف سے انکار کا سوال ہی نہیں اٹھتا کہ کربلا میں مردوں کی شہادت کے بعد، اس بات کو ایک فوری زمینی حقیقت کے طور پر، عورتوں نے ہی اپنے کردار سے سامنے لایا ہے کہ حقیقی فتح مقصد کی فتح ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کربلا کی کہانی صرف مردوں تک نہیں بلکہ عورتوں کے ذریعہ عورتوں تک پہنچی اور اس طرح پہنچی کہ خود یزید کی بیوی اس سے قطع تعلق پر آمادہ نظر آئی اور یزید کے بیٹے نے وقت آنے پر باپ کا تخت ٹھکرادیا۔ بظاہر وہ چند عورتیں تھیں لیکن دین و انسانیت کے تحفظ کی خاطر انھوں نے یزید کی بنائی ہوئی دنیا میں آگ لگادی، اموی حکومت نے انقلاب کی تعلیم دی، انسانیت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، یزید کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی دور کی اور جو ہزاروں کتابوں سے نہ ہوتا وہ انھوں نے اپنی روئیداد سفر سے عملاً کر دکھایا اور گویا کربلا اور انسانیت کی کہانی اس طرح عام ہوئی کہ اسے صرف موجودہ نسلوں نے ہی نہیں سنا بلکہ آنے والی نسلیں بھی کسی وقفہ کے بغیر، اسے نہ جانے کب تک اپنے اس پہلے مکتب میں سنتی رہیں گی جس کا نام ماں کی گود ہے۔

یہ انسانیت پر کربلا کا احسان نہیں تو اور کیا ہے کہ اس کے بقاو تحفظ کی خاطر خواتین کربلا نے اپنے عزیز از جان رشتوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ اپنے شوہر، بھائی، بیٹے اور بھتیجوں کو میدان جنگ میں بھیجا، یکے بعد دیگرے ان سب کی شہادت کے بعد، بہ حالت اسیری ایک دوسرے انداز سے لڑائی کی کمان سنبھالی اور وقت کے ساتھ ساتھ مدینہ، کوفہ اور شام کی عورتیں دین و انسانیت کے تحفظ کی راہ میں امام عالی مقام کے مشن سے متاثر اور اس کی حمایتی نظر آنے لگیں۔ کہا جاتا ہے کہ عورت کمزوری

کا دوسرا نام ہے لیکن انسانیت اور دین کی صیانت کے باب میں خواتین کربلا نے اس مقولے اور اس مفروضے کو سرتاسر غلط ثابت کردیا۔ وہ کربلا اور اس کے معاً بعد، مردوں کی نفسیاتی قوت اور دشمن انسانیت یزیدیوں کے لئے نفسیاتی امتحان بن گئیں۔ دین و آدمیت کی خاطر یزیدیوں کی تلوار کا مقابلہ اگر مردوں نے کیا تو انسانیت پر خواتین کربلا کا یہ ابدی احسان ہے کہ انہوں نے حضرت زینب کی سربراہی میں یزید کے دربار کا سامنا کیا اور ایک بڑی مثال قائم کردی، یقیناً دین و انسانیت کی تاریخ کربلا کے نسوانی کرداروں کا یہ احسان بھلانہیں سکتی کہ انھوں نے اس کی حفاظت و سربلندی کے لئے مصائب و آلام پر صبروضبط کی انتہا کردی، اپنے کسی عمل سے نہ تو جانبازوں کے لئے کمزوری کا کوئی نفسیاتی ماحول پیدا کیا اور نہ ہی ان کے رخصت ہوجانے کے بعد، ان کے مشن پر کوئی حرف آنے دیا بلکہ حوصلہ مندانہ شعوروتوازن کے ساتھ ان کے مشن کو آگے بڑھایا اور اس کی معنویت اور مقصدیت ان کے درمیان بھی بخوبی مشتہر اور واضح کردی جو باطل پروپیگنڈے سے گمراہ یا مشکوک ہورہے تھے۔ بلاشبہ اس طرح یہ حیثیت مجموعی کربلا کے بلند مرتبہ نسوانی کرداروں نے جس انداز سے خدا ترسی، پرہیزگاری، خدمت گزاری، وفا شعاری، بے خوفی و بے غرضی، انسان دوستی اور صبرو استقلال کے جولافانی نمونے پیش کئے ہیں وہ دین و انسانیت پر کربلا کے احسانات کا روشن اور موثر ثبوت ہیں۔

دین و انسانیت کی بقاء اور اس کے فروغ وتحفظ کے سلسلہ میں کربلا کے احسانات و اثرات کو اگر وسیع علمی وفکری اور سیاست عملی کے پھیلے ہوئے کینوس پر رکھ کر دیکھا جائے اور انسان دوستی اور اس سے متعلقہ مختلف النوع سیاسی و سماجی اور نظریاتی اصطلاحات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ازروئے تواریخ و افکار سب سے پہلے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ دین و انسانیت کے دشمن یزید اور اس کے حامیوں اور حواریوں کے رعب و دبدبے کی عام فضا جو اس وقت کے اسلامی ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ کم سے کم وقتوں میں ختم ہوئی اور اس کے خاتمہ میں کربلا کے نسوانی کرداروں کا حوصلہ خصوصیت سے کام آیا۔ اس طرح کربلا نے دین و انسانیت کی مخالفت اور معاندت میں ۶۱ھ/۶۸۰ء سے پہلے جو کچھ ہوا تھا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے عوام وخواص تک پہنچادیا۔ تاریخ گڑھنے کی کوشش ناکام ہوئی۔ یزید کی خلافت نما ملوکیت کے راز کھلنے لگے اور یزید کا وہ شخصی اور سیاسی کردار بھی دنیا کے سامنے آگیا جس نے انسانیت کے بہی خواہوں کو تادیر غلط فہمیوں میں مبتلا رکھا تھا، اس بات کا ثبوت دشمنان حسین کے بھیانک انجام سے ہی نہیں ملتا ہے بلکہ ان باتوں سے بھی ملتا ہے کہ یزید کے

خاندان میں اس کے بعد ہی حکومت ختم ہوگئی اور تھوڑی مدت کے بعد سہی بہرحال اموی حکومت بھی ختم ہوئی۔ بیشک اگر کربلا کا انسانیت دوستی سے موضوعاتی و مقصدی رشتہ نہ ہوتا تو اس نوعیت کے فیضان ہمارے سامنے نہ آتے۔

یہ محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کربلا نے دین و انسانیت کے حق میں ذہن سازی کے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اس نے ''آقائیت پسندی'' کا رجحان ختم کیا ہے۔ اس روش کا خاتمہ کیا ہے جسے ''من موجی رجحان'' کو تھوپنا کہتے ہیں۔ یہ امام حسینؑ اور شہیدان کربلا کا احسان ہے کہ انھوں نے یزید کے من مانے پن کا انجام دکھایا، انسانیت کو من مانے پن کی تباہی سے ہوشیار کیا۔ اور حصولِ مقصد کے لئے سنجیدگی، اصول پرستی اور ثبات قدمی سکھایا ہے۔ کربلا نے بتایا ہے کہ امن و آدمیت اور قوموں کی آزادی کے لئے مستحکم اور معتبر رویہ کس کو کہتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ مذہب کو، حکمرانوں کے استحصال کار طبقے اور استحصالی نظام کے تحفظ کی خاطر استعمال ہونے سے بچایا ہے بلکہ طفیلیت، خود پسندی، کیریرازم، کردارکشی اور لالچ کے خلاف سخت اور ثابت قدم رویہ اپنانے کی مثال بھی قائم کی ہے۔ کربلا نے فاشزم اور جارحیت کا قلع قمع کیا ہے، نازک ترین حالات میں بھی صنفِ نازک کو کئی بے معنی الزامی مفروضوں سے نجات دلایا ہے اور رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لئے استعمال شدہ ذرائع کو عورتوں کے ذریعے ناکام بنایا اور ان کی طاقت کا احساس دلایا ہے، کربلا نے برسرِ اقتدار قوت کی دہشت پسندانہ ڈکٹیٹرشپ کا خاتمہ کیا ہے۔ کربلا کے مابعد واقعات بتاتے ہیں کہ یزیدی دربار میں جو ایک قسم کی شادنیت پسندی پنپ رہی تھی اور دوسروں کی ہتک ونفرت کا جو پرچار ہورہا تھا، اس کا خاتمہ ہوا ہے اور مغروریت بداماں سماجی لفاظی کے حد سے زیادہ بڑھ چڑھ کر استعمال پر روک لگی ہے۔ کربلا نے جمہوری آزادی کا پیغام یاد دلایا اور اس کی بحالی کا راستہ کھولا ہے، انسانیت کو سیاسی غلامی سے نجات پانے کا ذہن دیا ہے، بین الاقوامی اختلافات اور مسائل و معاملات کو طاقت کے استعمال کی دھمکی سے نہیں بلکہ بات چیت سے دور کرنے یا حل کرنے پر آمادگی اور اس کے لئے آخری کوشش کی واضح مثال قائم کی ہے اور مذاکرات کی اہمیت و ضرورت کا احساس دلایا ہے، بلاشبہ یہ سارے اثرات، انسانیت پر کربلا کے وسیع و دقیع احسانات ہی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

کربلا کا یہ احسان یقیناً ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے نری سامراجیت اور شہنشاہیت کو پنپنے کا راستہ مسدود کردیا یہ اور زمانے کے فکری بحران، ذہن کے انتشار اور لامرکزیت کے ماحول میں، فکر

کے بکھراؤ اور الجھاؤ یعنی ''خواہشات'' سے فکر کی مرکزیت یعنی دین اور انسانیت کی طرف لایا ہے جو تہذیب افکار کی تاریخ میں بجائے خود ایک مثال ہی نہیں بڑی عمدہ مثال ہے۔ کربلا نے دہشت گردی اور دہشت پسندی کا راستہ بند کیا ہے، یزیدیت یعنی شیطنیت کے غرور کی شان کو خاک میں ملادیا ہے۔ کربلا نے سکھایا ہے کہ دین کے پابند بنو، انسانیت کی پاسداری کو اپنا شعار بناؤ اور یہ سب نہ سہی تو کم سے کم دنیا میں آزادی پسند اور انسان دوست بنو اور بہرحال دوسروں کے ایسے غلام نہ بنو کہ اپنی ساری غیرت وحمیت کھو دو۔ بیشک کربلا کی معنویت مسلم ہے کہ کربلا نہ ہوتی تو حکومت کی اس شکل کو جواز مل جاتا جو موروثی اور مطلق العنان بادشاہت کہلاتی ہے۔ اسی طرح ''انفرادیت پرستی'' یعنی فرد کے حقوق کو مطلق قرار دینے اور اسے سماج کا مدمقابل بنا کر پیش کرنے کے نظریہ کو اسلامی تاریخ سے جواز مل جاتا، دولت کی حرص، غرور، خودغرضی، اجتماعیت کی مخالفت و ناقدری جیسی وہ برائیاں پھیلتیں جو انفرادیت کی باقیات ہیں۔ بیشک کربلا نہ ہوتی تو مجاہدین اسلام و انسانیت کے لئے اسلامی تاریخ میں بہ انداز خاص حوصلہ افزائی کے لئے کوئی عملی نمونہ نہ ہوتا، جہاد اور انسانیت وصداقت کی خدمتوں سے جان چرانے والوں کو تلاش سکون کا عمدہ بہانہ ہاتھ آ جاتا۔ اسلام اُسی وقت سے عرب میں محدود ہوجاتا، دین و آدمیت کے لئے تبلیغی عزم و ہمت ختم ہوجاتی، اظہارِ حق وحریت میں بے باکی رخصت ہوجاتی، کلیات اسلام اورعلی الخصوص اسلام کے نظریۂ امن وحریت اور انسان دوستی پر پانی پھر جاتا۔ بیشک کربلا نہ ہوتی تو حسینؑ کا خاندان نہ لٹتا، ان کے جانباز ساتھیوں کا خون نہ بہتا، مگر انسانیت نوازی کے لحاظ سے، عوام کے دلوں سے دینی فکروعمل کی وقعت ختم ہوجاتی، دین کی آبرو لٹ جاتی، انسانیت کی قدروں کا خون ارزاں و عام ہوجاتا۔ کربلا نہ ہوتی تو آج دنیا کا نقشہ ہی بدل چکا ہوتا، حق و صداقت اور دین و انسانیت کی آواز دبتی اور دبتی ہی چلی جاتی اور دین و انسانیت کی خدمت وحفاظت کے مواقع کو، مصلحت کے نام پر موخر کردینے کی مستقل روایت قائم ہوجاتی۔ بلاشبہ کربلا کے، دین و انسانیت پر احسانات، ہماری توقعات اور حدود شمار سے کہیں زیادہ ہیں مگر ان کے اعتراف کی حقیقی راہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ کربلا کے پیغام حق و انسانیت پر صدق دل سے عمل کیا جائے۔